© rasailojaraid.com

مقالات ومضامین

ہمارا قومی رویہ، عصری تقاضے اور علماء کا کردار

مولانا جنید انور

پڑھے لکھے اور تہذیب یافتہ افراد کسی بھی قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں اور مذہبی افراد اس قوم کا سرمایہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی پہچان ہوتے ہیں اس لیے کہ یہی مذہب کے علمبردار افراد ہی اس کے تشخص کے ضامن ہوتے ہیں اور ان دونوں فریقوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور ان کی محافل میں شریک ہونا ہر باذوق فرد کی اولین خواہش ہوتی ہے۔ انہی دنیاوی طور پر پڑھے لکھے اور تہذیب یافتہ افراد کی ایک محفل میں کچھ عجیب قسم کے جملے میری سماعت سے ٹکرائے کہ "ارے یہ مولوی لوگ جاہل ہیں...... سارے کے سارے جاہل ہیں......" تو ان "باشعور" اور "مہذب" افراد کا یہ لہجہ اور طرزِ گفتگو طبیعت کو ہضم نہ ہو سکی اور مجھ سے رہا نہ گیا۔ ہر چند کہ یہ گفتگو بزرگوں کے درمیان ہو رہی تھی اور ان جملوں پر اپنی "باادب خاموشی" برقرار رکھنا میرے بس سے باہر ہو گیا، پھر راقم نے نہ صرف اس گفتگو میں دخل اندازی کی بلکہ اچھا خاصا لیکچر دے ڈالا۔ اس کا خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

یہ کتنی عجیب بات ہے کہ تعلیم یافتہ اور سمجھ دار لوگوں کی محفلوں میں جب کبھی دین کا تذکرہ نکل آئے تو اکثر اوقات اس تذکرے کا اختتام علماء پر طعن و تشنیع کرتے ہوئے ہی ہوتا ہے۔ ایک عام اور سطحی طور پر پڑھا لکھا شخص علمائے دین کو برا بھلا کہہ کر یہ سمجھتا ہے جیسے اس نے دین کی خدمت کا حق ادا کر دیا...... آج یہی طرزِ عمل ہمارا قومی رویہ بن کر رہ گیا ہے مگر بتایئے کہ کیا کسی نے سنجیدگی سے اس معاملے پر غور کرنے اور اسے حل کرنے کے لیے مخلصانہ کوششوں کی زحمت گوارا کی ہے؟ کیا کسی نے آگے بڑھ کر علمائے دین کے بارے میں بڑھتی ہوئی غلط سوچوں پر بند باندھنے کی کوشش کی ہے؟

سچ اور واقعتاً سچ یہی ہے کہ دینی مدارس اور علمائے دین کی موجودہ حالتِ زار کا ایک وسیع تاریخی پس منظر ہے جو کم و بیش دو سو سال کے عرصے پر پھیلا ہوا ہے، یہ طویل عرصہ اور مدت آٹھ نسلوں کے جوان ہونے کے لیے کافی ہے۔ دین اور علماء دین کے حوالے سے جو زہر آج کے ایک عام شہری کے ذہن میں گھلا ہوا ہے وہ اس قوم کو اپنے بڑوں سے ورثے میں ملا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس زہر کو زہر نہیں سمجھا جاتا۔ جب عام افراد علمائے دین کو اپنے نازیبا جملوں سے معتوب کرتے ہیں تو وہ یہ نہیں سوچتے کہ ان کا اپنا سلوک ان سے کیا ہے؟ وہ کبھی اس بات کا جواب نہیں دے سکتے کہ ان کے آس پاس کے ماحول میں ایسے کتنے صاحبِ حیثیت اور باعزت گھرانے ہیں جو اپنے بچوں کو، اپنی خوشی سے عالمِ دین بنانا چاہتے ہیں؟ معاشرے کے بیمار رویے کا ایک ثبوت تو یہ ہے کہ وہ اپنے بہترین دماغ کو سول سروس، تجارت، طب، انجینئرنگ اور ایسے ہی دوسرے "منافع بخش" شعبوں کی نذر کر دیتے ہیں اور ان سے کم تر درجے کے دماغوں کو جن کی کہیں اور کھپت نہ ہو، انہیں (گویا کہ ترس کھاتے ہوئے) مولوی بنانے کے لیے مدرسے بھیج دیا جاتا ہے اور پھر توقع کی جاتی ہے کہ اچھے علمائے دین میسر آئیں گے۔ یہ تو گویا جو بو کر گندم پانے کی خواہش کی مانند ہے......!

دوسری طرف اس بات کا خیال کسی بھی مہذب اور باشعور فرد کو نہیں آتا کہ خصوصاً عصری تقاضوں سے علماء کی ناواقفیت کا رونا روتے ہوئے وہ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ دینی معاملات میں ایک عام پڑھے لکھے آدمی کی معلومات کسی جاہل سے بھی بدتر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں……

انتہائی معذرت کے ساتھ ہمیں یہ کہنے دیجیے کہ آج معاشرے کے افراد وہی کاٹ رہے ہیں جو انھوں نے کل بویا تھا، علمائے دین کا معاملہ چھوڑیے، معاشرے کا ایک عام پڑھا لکھا شخص خواندہ تو ضرور ہے لیکن اسے تعلیم یافتہ نہیں کہا جاسکتا ہے، اس کی مثال کولہو کے بیل جیسی ہے، جس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہو اور وہ ایک دائرے میں گھومتے ہوئے یہ سمجھ رہا ہو کہ اس نے ایک لمبا فاصلہ طے کرلیا ہے اور کہیں سے کہیں پہنچ چکا ہے، معاشرے کے پڑھے لکھے شرفا، تجزیے کی صلاحیت سے اس قدر محروم ہیں کہ وہ ہر سچی جھوٹی بات پر یقین کر لیتے ہیں اور اپنے طور پر کوئی تحقیق نہیں کرتے حتی کہ نوبت یہیں تک پہنچ چکی ہے کہ ذرائع ابلاغ کے طفیل نام نہاد اسلام کے نام لیواؤں (جن کی ظاہری شکل وصورت اسلام کی تعلیمات سے کافی مختلف ہوتی ہے) کی خود ساختہ ''تفسیر، تحقیق'' اور ''تشریح'' پر آنکھیں بند کرکے یقین کرلیا جاتا ہے اور پھر اُس کی روشنی میں علمائے دین سے سوال و جواب شروع ہو جاتے ہیں۔ یہی افراد مسجدوں اور مدرسوں کے لیے چندے بھی دیتے ہیں، مگر اپنے گھرانوں میں دینی سمجھ بوجھ پروان چڑھانا انہیں پسند نہیں، ان کے نزدیک ''مولوی'' ایک ملازم ہے جس کی ذمہ داریوں میں، مسجد میں نماز اور قرآن پڑھانا، دم درود کرنا، لوگوں کی مشکلات حل کرنے کے لیے وظائف بتانا، پیچیدہ دینی معاملات میں فتوے دینا، نکاح پڑھانا، حاجت مندوں کے لیے دعائیں کرانا، دوسروں کے لیے استخارے کرنا، نمازِ جنازہ پڑھانا اور لوگوں کو طہارت و جنابت کے مسائل بتانا وغیرہ جیسے امور ہی شامل ہیں۔ غرض یہ کہ ہمارا معاشرہ کسی مولوی یا عالم دین کو دین کے علاوہ کسی دوسرے (یعنی دنیاوی) کام کی اجازت دینے کے لیے تیار ہی نہیں، معاشرے کے افراد اپنی زبان سے یہ ضرور کہتے ہیں اسلام میں رہبانیت کی گنجائش نہیں ہے لیکن اگر ایمان داری سے دیکھا جائے تو انھوں نے اپنے عالم کو کسی راہب سے بھی زیادہ برا مقام دے رکھا ہے اور ''مولوی'' یا ''ملا'' جیسے الفاظ ادا کرتے وقت ان کے ہونٹ نفرت سے سکڑ جاتے ہیں۔

رہا یہ سوال کہ علماء کرام جدید یعنی عصری علوم سے واقف نہیں تو اس کے دو جواب ہیں کہ ایک تو یہ دونوں فیلڈز الگ الگ ہیں اور پھر اس سوال کا کیا جواب ہے ایک اچھا پائلٹ یا انجینئر ایک عالم بھی کیوں نہیں ہوتا؟ دوسرا یہ کہ اس میں بھی ہمارا وہی قومی رویہ کارفرما ہے جس کا تذکرہ اوپر کی سطور میں کیا جاچکا ہے، اپنے چند حالیہ تجربات کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اگر علماء عصری علوم سے واقف نہیں تو ایک عام شہری میں بھی دین کا کوئی شعور نہیں، یہ صورت حال صرف اس وقت تبدیل ہوگی جب افراد معاشرے کی حیثیت سے اپنے اندر تبدیلی لائیں۔ ہماری رائے کے مطابق دینی مدارس میں رائج، دینی نصاب میں کوئی ردّوبدل کیے بغیر، مدارس کے طالب علموں کو جدید علوم سے کم از کم اس حد تک شد بد ہو کہ جب انہیں عالم بننے کے بعد عصری حوالے سے کسی دینی مسئلے کا سامنا ہو تو وہ اس بارے میں درست اور نپا تلا دینی نقطۂ نگاہ پیش کر سکیں، دوسری جانب اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ معاشرے کے اچھے اذہان کو دینی علوم حاصل کرنے کے لیے وقف کریں۔ ایسے ذہن جو دنیاوی تعلیم سے بھی آراستہ ہوں اور ساتھ ساتھ دینی علم سے بھی بھرپور انداز میں واقف ہوں۔

اگر یہ شرط پوری ہو جاتی ہے تو تب پھر اکیسویں صدی میں احیائے اسلام اور امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کی کوششیں کامیابی سے ہمکنار ہوسکیں گی۔ (ان شاء اللہ)

☆☆☆

© rasailojaraid.com